بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

چاروں طرف انہی کا اُجالا دِکھائی دے

(سفرنامہ)

تحریر : ڈاکٹر کوکب نورانی اوکاڑوی

ماں جی قبلہ علیہا الرحمہ کے بعد ''زندگی'' آسان نہیں رہی۔ مجھے تو گویا پَر لگے ہوئے تھے، اُڑتا پھرتا تھا۔ کاش کہ مائیں زندہ ہی رہا کریں۔ یکم ربیع الآخر 1426ھ سے عید الاضحیٰ تک کسی سفر پر جی آمادہ ہی نہیں ہوا۔ الحاج ہاشم یوسف منصور کے تین بچے ہیں۔ ایک بیٹی اور دو بیٹے۔ جنوبی افریکا میں وہی میرے پہلے میزبان اور انہی کا گھر میرا گھر ہے۔ اس خاندان کی یہ چوتھی نسل ہے جس سے ایمانی و روحانی تعلق کا ابا جان قبلہ علیہ الرحمہ سے تا حال بفضلہٖ تعالیٰ تسلسل قائم ہے۔ ہاشم بھائی کی بیٹی کی شادی سے ایک ہفتہ قبل مَیں وطن عزیز لَوٹ آیا تھا، مَیں کیوں نہ رُک سکا؟ اس کا انکشاف تو یہاں اپنے وطن آ کر ہُوا۔ میرے استادِ گرامی حضرت شیخ الاسلام والمسلمین مولانا غلام علی صاحب اشرفی اوکاڑوی علیہ الرحمہ کی رحلت میری وطن واپسی کے دوسرے روز ہوئی۔ دو برس قبل ہاشم بھائی نے میری زبانی اپنے دونوں بیٹوں کی نسبت طے کروائی تھی۔ ان کا اصرار تھا کہ نکاح خوانی بھی مَیں ہی کروں۔ ان کے بڑے فرزند کا کیپ ٹاؤن شہر میں تعلیمی نصاب دسمبر 2005ء کے آخر تک مکمل ہونا تھا اور جنوری کی 28 انہوں نے اس کے نکاح کے لیے مقرر کر دی۔ اس تاریخ کا اعلان وہ چھ ماہ قبل کر چکے تھے۔ ماں جی قبلہ علیہا الرحمہ کے وصال کے بعد ہاشم بھائی اور ان کے اہلِ خانہ کے فون لگاتار آتے رہے اور مَیں کوئی وعدہ نہ کر سکا، دار العلوم پری ٹوریا کے سربراہ مفتیِ اعظم افریکا حضرت مولانا محمد اکبر ہزاروی کو بھی ہاشم بھائی کے ہاں تقریب کی خبر تھی، وہ سن چکے تھے کہ مجھے بلایا جا رہا ہے۔ شادی کے تیسرے دن ماہِ محرم 1427ھ کا آغاز ہونا تھا، مفتی صاحب کا کہنا تھا کہ ایک بار پھر پری ٹوریا میں عشرۂ محرم کی مجالس سے خطاب کرو، حالاں کہ دو مرتبہ وہاں ماہِ محرم کی مجالس میں شرکت کر چکا ہوں۔ عید الاضحیٰ تک مَیں نے ویزا کے حصول کے لیے درخواست بھی نہیں دی۔ سفارت خانے والے دس پندرہ دن ویزا جاری کرنے میں لگا دیتے ہیں۔ ہاشم بھائی کے اصرار پر بالآخر ویزا کی درخواست بھجوا دی، سوچا کہ شادی کی تاریخ تک ویزا نہیں آئے گا اور یہی نہ جانے کا بہانہ ہو جائے گا۔ پری ٹوریا مسلم ٹرسٹ کے سربراہ الحاج ابراہیم کریم قادری، ڈربن کے الحاج ابراہیم اسمال قادری روز ہی رابطہ کرتے رہے۔ جمعرات 26 جنوری کی شام ویزا سمیت میرا پاس پورٹ مجھے مل گیا۔ اب کوئی عذر بھی نہ رہا اور جانا ہی پڑا۔ جمعہ 27 جنوری کی شب کراچی سے روانہ ہوا۔ ہفتہ 28 جنوری کی صبح 10 بجے جوہانس برگ ایر پورٹ پر حضرت مفتی ہزاروی صاحب، حضرت پیر الحاج محمد قاسم اشرفی کے چاروں فرزندان، الحاج عثمان اشرفی، مولانا حافظ محمد اسمٰعیل ہزاروی، دار العلوم پری ٹوریا کے اساتذہ وطلبہ استقبال کو موجود تھے۔ تکبیر و رسالت کے نعرے گونجے۔ غیر مسلم

توجہ سے میرا استقبال دیکھ رہے تھے۔ حاجی ابراہیم کریم صاحب مجھے نظر نہ آئے۔ معلوم ہوا کہ وہ گزشتہ شب اچانک علیل ہو گئے تھے۔ انہیں ہسپتال لے جانا پڑا۔ میں نے حاجی صاحب کی عیادت کو جانا چاہا لیکن فون پر انہوں نے مجھے کہا کہ اگر اسی وقت تم پیٹ رٹیف کے لیے روانہ نہ ہوئے تو نکاح میں شریک نہ ہو سکو گے۔ وہ بتا رہے تھے کہ گردے میں پتھری کا انکشاف ہوا ہے، علاج ہو رہا ہے، وہ ایک دو دن میں گھر منتقل ہو جائیں گے۔ حاجی صاحب نے میری سہولت کے لیے ایک موبائل فون مجھے بھجوا دیا تھا۔ جوہانس برگ ایر پورٹ سے پیٹ رٹیف تک کا سفر چار گھنٹے کا تھا۔ کیپ ٹاؤن سے اشرفی برادران کھانا ساتھ لائے تھے انہیں اندازہ تھا کہ مَیں خاصا طویل سفر کر کے آ رہا ہوں۔ مفتی صاحب اور مولانا محمد محسن اشرفی کے ساتھ باتوں کے تسلسل میں سفر پورا ہوا۔ ہم پیٹ رٹیف سہ پہر ساڑھے تین بجے پہنچے۔ وہاں حضرت پیر محمد قاسم اشرفی بھی پہلے سے موجود تھے۔ یہاں ''منصور فیملی'' کے سبھی افراد آئے ہوئے تھے۔ ابھی ملاقات ہی ہو رہی تھی کہ بتایا گیا کہ عصر کی اذان میں زیادہ وقت نہیں۔ مجھے گھر سے روانہ ہوئے بائیس گھنٹے ہو چکے تھے۔ جنوبی افریکا کا ٹائم پاکستان سے تین گھنٹے پیچھے ہے۔ نمازِ عصر کے بعد مسجد میں تنویر منصور کا نکاح پانچ علماء اور بڑی تعداد میں افراد کی موجودی میں ہوا۔ نکاح کے بعد صلوۃ وسلام پڑھا گیا۔ رخصتی کی تقریب مغرب کے بعد ٹاؤن ہال میں تھی۔

جنوبی افریکا کے چار صوبے ہیں۔ کیپ ٹاؤن جسے ''مدرسٹی'' بھی کہا جاتا ہے، وہاں ملائے شیا کے مسلمان باشندے ہی پہلے پہل (کوئی ساڑھے تین سو برس قبل) آئے تھے۔ بھارتی نژاد مسلمان اور ہندو تو بہت بعد میں اس خطے میں آئے۔ منصور فیملی کے پہلے فرد یہاں سوا سو برس پہلے آئے۔ سورتی، میمن، گجراتی، خان، کوکنی، تامل اور ہندوستانی یہاں ملائی لوگوں سے خاصے کم ہیں اور پاکستانی تو اکثر نووارد ہیں۔ ان سب میں اپنے اپنے رسم ورواج زیادہ تر نہیں رہے۔ ماحول میں مغربیت کا دخل خاصا ہے۔ کچھ ہی گھرانوں میں مادری زبان بولی جاتی ہے ورنہ انگریزی ہی زندگی کا لازمی حصہ ہو گئی ہے۔ سفید فام حکومت سے نجات کے بعد ''افریکانز'' کو اسکولوں میں انگریزی کی جگہ رائج کیا جا رہا ہے اور وہ استاد مقرر کر دیئے گئے ہیں جو انگریزی کی معمولی سی شدھ بدھ رکھتے ہیں، یوں وہاں کے افریکانز کے سوا باقی طلبہ پر اچانک ایک نئی مصیبت آ پڑی ہے۔ مسلمان تو اپنی زبان وتہذیب کا وہاں کوئی اہتمام نہیں رکھتے لیکن افریکانز نے اب شہروں علاقوں کے نام بھی بدلنے اور لکھنے شروع کر دیئے ہیں۔ مسلمانوں میں شادی بیاہ کی تقاریب میں اب تک عیسائی لباس اور طور طریقے ہی زیادہ رہے ہیں تاہم کچھ گھرانوں میں تبدیلی آئی ہے اور انہوں نے انڈین اسٹائل اپنا لیے ہیں۔ کیپ ٹاؤن میں دوران تعلیم حضرت پیر محمد قاسم اشرفی کے ہاں تنویر منصور نے خاصا وقت گزارا تھا اور انہوں نے اسے اپنا بیٹا بنا لیا تھا، وہ اور ان کے فرزندان سب پہلی مرتبہ ٹرانس وال کے اس شہر پیٹ رٹیف میں شادی میں آئے تھے اس لیے اس شادی میں کچھ رونق زیادہ تھی۔ نکاح میں بھی دُلہا نے خالص اسلامی لباس زیب تن کیا تھا اور رخصتی کی تقریب میں بھی وہ سر پر ٹوپی پہنے رہا۔ ٹاؤن ہال سے دلہن اپنے والدین کے ہاں گئی تو پیر صاحب نے وہاں

سے رخصتی سے قبل نعت خوانی اور سلام پڑھوایا اور دلہا دلہن کو منظوم عمدہ کلام میں نصائح سے نوازا۔ دلہن کے گھر سے دلہا کے ہاں آتے ہوئے بھی وہ موسیقی یا دھوم دھڑکے کی بجائے نعت خوانی کرتے رہے، یوں ایک سماں بندھا رہا۔ مَیں اس سب کی رُوداد سن کر خوش ہوا۔ پیٹ رٹیف میں یہ پہلی شادی تھی جس میں یہ سب کچھ ہوا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے انگریزی میں اپنی طبع کروائی ہوئی پہلی تفسیرِ قرآن نئے شادی شدہ جوڑے کو تحفہ میں عطا کی۔ اگلی صبح ٹاؤن ہال میں دعوت ولیمہ تھی۔ ولیمہ کے طعام سے قبل بھی نعت خوانی اور صلوۃ وسلام کا سلسلہ رہا۔ کلام وطعام کا ایصال ثواب کیا گیا۔ کھانے کے بعد یکے بعد دیگرے سبھی اپنے اپنے شہروں کو روانہ ہونے لگے۔ حضرت مفتی صاحب تو یہ چاہتے تھے کہ اسی وقت مجھے ساتھ لے جائیں۔ ان سے عرض کی کہ ابھی تو پہلے سفر کی تھکن ہی کم نہیں ہوئی۔ نیا سال شروع ہونے دیجیے، ان شاءاللّٰہ تعالیٰ حسب وعدہ حاضر ہوں گا۔ مفتی صاحب بہت خیال رکھنے والے اور مہمان نواز ہیں، مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے خاطر داری میں کبھی کسر اٹھا رکھی ہو۔ گیارہ ممالک کے طلبہ ان کے دارالعلوم میں مقیم زیرِ تعلیم ہیں اور مفتی صاحب ان تھک مجاہد ہیں۔ ایک چھوٹے سے کمرے سے انہوں نے تدریس کی ابتدا کی تھی۔ یہ ان کا صدق واخلاص اور مسلسل محنت ہے کہ آج ان کے پاس 85 کمرے ہیں۔ وہ مدرس بھی ہیں اور منتظم بھی۔ خطیب وادیب بھی ہیں۔ اپنے اساتذہ ہی نہیں طلبہ اور ان کے گھرانوں سے بھی کچھ اس طرح وابستہ ہیں کہ سبھی ان کو محترم اور مقرب جانتے مانتے ہیں۔ طلبہ کی تربیت کے حوالے سے وہ حتی الوسع نگرانی کرتے ہیں اور اب کچھ برسوں سے مصر کے جامعہ ازہر سے بھی ان کے دارالعلوم کی وابستگی ہے۔ مصری اساتذہ بھی ان کے ہاں مقیم اور معلم ہیں۔

''پری ٹوریا'' جنوبی افریکا کا دارالحکومت بھی ہے۔ اس کا علاقہ ''لوڈیم'' انڈین آبادی پر مشتمل ہے۔ جیول اسٹریٹ کی جمعہ مسجد میں اس سال ایک بار پھر مجالس محرم سے روزانہ خطاب کا سلسلہ رہا۔ مَیں نے نئے موضوعات پر خطاب رکھا۔ پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ یہاں نصف گھنٹے سے زیادہ کسی کی تقریر ہو جائے تو ہجوم رخصت ہو جاتا ہے۔ بحمدہ تعالیٰ روز ہی دو گھنٹے نشست ہوتی رہی اور لوگ شوق سے سنتے رہے۔ انگریزی میں خطاب میری عادت نہیں لیکن جنوبی افریکا میں میرا خطاب انگریزی ہی میں سنا جاتا ہے۔ مجھے اس کی وجوہ یہ بتائی گئیں کہ سننے والوں میں نوجوان اور خواتین بھی شامل ہوتے ہیں، انہیں بہت معلومات ملتی ہیں، ان کی مسلکی پختگی اور دین سے وابستگی زیادہ ہوتی ہے۔ وطن میں جس وقت ہمارے جلسے شروع ہوتے ہیں، بیرونِ ملک اس وقت جلسے اپنے اختتام کو پہنچ جاتے ہیں۔ لوڈیم میں حضرت مفتی صاحب نے بہت کام کیا ہے۔ ان کو مخلص ساتھی میسر ہیں۔ ان کی اہلیہ نے خواتین میں دینی شعور کے نئے دور کی ابتدا کی ہے۔ لوڈیم میں قیام کے دوران الحاج سعداللّٰہ کی مزاج پرسی کو بھی گیا۔ وہ بھی مسلکِ حق کے ایک سرگرم کارکن ہیں۔ لاس اینجلس سے الحاج عثمان تار کی اچانک وفات کی خبر آئی تو لوڈیم میں مقیم ان کے بھائیوں کے ہاں تعزیت کو گیا۔ وہاں ''لوڈیم سن'' کے نذیر بھیڈیا ملے اور ایک شخص کی ہفوات کا تحریری جواب چاہا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ مالی

منفعت کے لیے اپنے اخبار میں انہوں نے پہلے تو اس شخص کی غلط باتیں شائع کیں اور اب خود کو غیرت مند مسلمان ثابت کرنے کے لیے مجھ سے جواب چاہا۔اس شخص نے منیٰ میں رمی جمرات کے خلاف ایسی باتیں کی تھیں جو کسی مدعی اسلام کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دینے والی ہیں۔حضرت مفتی صاحب نے بتایا کہ یہ شخص کوئی قابلیت نہیں رکھتا،ظاہر یہی ہوتا ہے کہ کسی تخریبی سازشی ٹولے کا آلۂ کار بن رہا ہے۔نذیر صاحب کو مَیں نے اگلے روز حاجی ابراہیم صاحب کے ذریعے جواب بھجوادیا۔دو خاندانوں کے افراد وہاں دو برس پہلے ایک دوسرے سے لڑ پڑے تھے اور ہر نئے دن تلخیوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔یوم عاشورا میں بفضلہٖ تعالیٰ ان میں صلح کروادی۔اس دوران مسجد سیدنا غوث اعظم (رضی اللّٰہ عنہ) میں 5 فروری کو یوم کشمیر منایا گیا تھا۔یہاں پاکستانیوں کا سفارتی عملہ بھی موجود تھا۔ان سب سے مل کر خوشی ہوئی۔ایک سہ پہر حاجی ابراہیم کریم صاحب کے ساتھ لوڈیم کے قریب قائم ایک نئے مدرسہ میں گیا۔یہ مدرسہ ترکی کے باشندے جناب شیخ معمر کی زیرنگرانی قائم ہے۔شیخ معمر اور ان کے مدرسے کے اساتذہ سے ملاقات کی۔ان کا تعلیمی تدریسی نصاب دیکھا۔یہ لوگ طریقت کے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے وابستہ ہیں اور متعدد ممالک میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔شیخ معمر محافل میں بھی تشریف لائے۔

جنوبی افریکا میں ماہِ محرم میں شہدائے کربلا کے ایصالِ ثواب کے لئے بہت سے گھروں میں محافل ہوتی ہیں۔خواتین کی روزانہ محفل سے حضرت مفتی صاحب کی اہلیہ محترمہ کا خطاب ہوتا رہا۔کھانا،شربت اور خیرات کا سلسلہ خوب ہوتا ہے۔یہاں کے لوگ تقریبات سے پہلے ختمِ قرآن اور محافل میلاد کا انعقاد کرتے ہیں۔صدقہ وخیرات کرتے ہیں۔بچوں کو حافظ قرآن بنانے کا شوق رکھتے ہیں۔دینی حمیت اور جذبۂ ایمانی کا مظاہرہ اپنے انداز میں خوب کرتے ہیں۔آئی ٹی وی کے امام سعید گیلانی نے روزانہ مجالس کی رِکارڈنگ کی تھی،اسٹوڈیو میں بھی انہوں نے چار پروگرام رکارڈ کئے۔کلاڈیئس کے علاقے میں حضرت مفتی صاحب نے وسیع رقبہ لیا ہوا ہے،اس کے گرد چار دیواری لاکھوں رین کے خرچ سے ایک صاحبِ دل نے تعمیر کروادی ہے۔یہ درس گاہ جب کبھی تعمیر ہوگی تو اپنی عمارت اور محل وقوع میں عمدہ ہوگی۔دارالعلوم کے ایک نگراں اور فاضل نوجوان مولانا حافظ محمد اسمٰعیل ہزاروی اپنی خوبیوں میں نمایاں ہیں۔ان کے جواں سال بہنوئی کو ڈاکوؤں نے قتل کر دیا تھا۔ان کے ہاں بھی تعزیت کے لیے گیا۔حافظ صاحب کو پشتو،اردو،انگریزی اور افریکانز زبانوں پر خاصی دست رس ہے،اللّٰہ کرے وہ اپنی صلاحیتوں سے مثالی کام کرسکیں۔اگلی صبح گیارہ محرم کو نماز جمعہ کے لیے جوہانس برگ میں واقع ''سلطان باہو سینٹر'' میں مفتی صاحب نے میرے لیے دعوت قبول کر لی تھی۔کشادہ سڑکوں کے باوجود پری ٹوریا سے جوہانس برگ آمد ورفت میں خاصا وقت لگ جاتا ہے۔پبلک ٹرانس پورٹ نہیں ہے۔ایک گاڑی میں ایک مسافر اور ہزاروں گاڑیاں بیک وقت ایک شاہ راہ پر ہوں تو کم مسافت بھی زیادہ وقت میں طے ہوتی ہے۔ہر ملک میں یوں نہ جانے کتنا قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے۔ہمارے ملک میں چند افراد کی سہولت کے لیے

جانے کتنی سڑکیں بڑی تعداد کے لیے نہیں رہیں اور انہیں روزانہ جس کوفت کا سامنا ہوتا ہے اس کا احساس بھی کسی ''ذمہ دار'' کو نہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ دو گھنٹے پہلے روانہ ہونا ہوگا۔ حاجی ابراہیم صاحب نے طے شدہ وقت سے بھی ایک گھنٹا پہلے مجھے نیند سے جگا دیا۔ گیارہ بجے دارالعلوم کے ایک معلم مولانا سرفراز صاحب کے ساتھ پہلی مرتبہ ان کی گاڑی میں روانہ ہوا۔ اسے اتفاق کہیے یا حسن اتفاق، ہم پون گھنٹے ہی میں آ سانی پہنچ گئے۔ مولانا محمد اسلم ہمارے منتظر تھے، ان سے لوڈیم میں برسوں ملاقات رہی تھی۔ وہ بتا رہے تھے کہ وہ میرے والد گرامی علیہ الرحمہ کی کتاب ''شام کربلا'' سے گزشتہ دس روز مجالس میں بیان کرتے رہے۔ انہوں نے کہا کہ دو تین سوال حل طلب ہیں اگر آج جمعہ میں وہ بیان ہو جائیں تو بہت اچھا ہوگا۔ جوہانس برگ کے اس مرکز میں نماز جمعہ ادا کرنے والوں میں پاکستانیوں کی بھی خاصی تعداد ہوتی ہے۔ نماز جمعہ کے بعد کراچی ہی کے بہت سے افراد ملے ان کا اصرار تھا کہ ان کو مزید وقت دوں۔ ڈاکٹر عبداللہ یعقوب منصور یہاں جانے پہچانے ہیں، ان کا تعلق بھی میرے میزبان خاندان سے ہے۔ انہیں یہ شرف حاصل ہے کہ میرے والد گرامی علیہ الرحمہ سے بیعت ہیں۔ کچھ برس پہلے انہوں نے جوہانس برگ میں مکان تعمیر کیا۔ ڈاکٹر منصور پاک و ہند کے متعدد علماء و مشائخ کو بہت شوق سے اپنا مہمان بناتے ہیں اور ان کی خدمت میں راحت پاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب بھی اپنے بڑے بھائی ابراہیم یعقوب منصور اور کچھ قرابت داروں کے ساتھ وہاں تھے۔ ہم وطن لوگوں سے کہا کہ وہ ڈاکٹر صاحب سے رابطہ رکھیں، وقت ملا تو پھر آؤں گا۔ سلطان باہو سینٹر کا تفصیلی تعارف کچھ برس پہلے ایک سفرنامے میں تحریر کر چکا ہوں۔ حضرت پیر سعید علی احمد چوب دات اس کے روح رواں ہیں۔ جمعہ کے بعد ان سب دوستوں محبوں میں ان کی محبتیں سمیٹتا رہا۔ نماز جمعہ کے بعد اس روز وہاں ڈین مارک کے شیطانی کارٹونسٹ فلیمنگ روز کے خلاف جنوبی افریکا کے مسلمانوں نے پری ٹوریا میں زبردست مگر پُرامن احتجاجی مظاہرہ کیا۔ گزشتہ روز کیپ ٹاؤن میں احتجاجی مظاہرہ ہوا تھا۔ بھائی الحاج عبدالحق منصور کے ہاں اس روز ظہرانے کا وعدہ تھا۔ یہ ہاشم یوسف منصور کے بڑے بھائی ہیں اور ڈربن شہر سے اب جوہانس برگ منتقل ہو چکے ہیں۔ انہیں گلہ تھا کہ پہلے انہیں بھی خاصا وقت سب کے ساتھ مل جاتا تھا۔ اب یہ خاندان کے افراد سے دور ہو گئے ہیں۔ عصر تک ان کے ہاں رہا۔ اس دوران بارش شروع ہو چکی تھی۔ جنوبی افریکا میں موسم کا کچھ یہی حال ہے اچانک تبدیلی آ جاتی ہے۔ دن گرم ہوتا ہے تو سہ پہر میں خنکی شروع ہو جاتی ہے اور کبھی تو شام کو ٹھنڈ ہو جاتی ہے۔ یہاں 36 درجے سینٹی گریڈ ہو جائے تو اسے بہت گرمی شمار کرتے ہیں۔ ڈاکٹر منصور آئے اور اپنے ہاں لے گئے جہاں سے ہم مغرب کے بعد لوڈیم کے لیے روانہ ہو گئے۔ اگلی صبح ہمیں ''ملاوی'' جانا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے دو دن کا ان سے وعدہ کر لیا تھا۔ تیرہ چودہ برس بعد ایک بار پھر ملاوی جا رہا تھا۔ یہاں کا ذکر کیا جائے تو آپ کے سب سے پہلا مشورہ ملیریا سے بچاؤ کا انجکشن لگوانے کا ملتا ہے۔ مچھروں کی بہتات کی وجہ سے ملاوی خاصا مشہور ہے اور کہا جاتا ہے کہ ملاوی کا مچھر بھی ایسا ہے کہ کاٹ لے تو بعض مرتبہ مہینوں تکلیف رہتی

ہے۔افریکی کئی ممالک کی طرح ''ملاوی'' بھی پہلے برٹش کالونی شمار ہوتا تھا۔اس کا پرانا نام ''نیا سالینڈ'' تھا۔ 1964ء میں آزادی کے بعد اس کا نام ملاوی ہوگیا۔ آزادی دلانے والے قائد کا نام کموذو بانڈا بتایا گیا۔ آبادی بارہ ملین بتائی جاتی ہے جس میں پاکستانی اور بھارتی مسلم گھرانے صرف دو ہزار بتائے گئے۔ تین شہر نمایاں ہیں۔ لی لانگ وے، لمبی اور زُومبا۔ مقامی زبان کا نام ''چے چے وا'' ہے جو سواحلی سے مشابہ ہے۔ یہاں تنباکو، اناس اور مکئی پیداوار میں نمایاں ہیں۔ کاشت کاری کے علاوہ ٹرانس پورٹ میں لوگ شغف رکھتے ہیں۔ مسلمان یہاں کی آبادی کا 40 فی صد سے زیادہ حصہ ہیں۔ کرنسی کا نام ''کواچا'' ہے۔ ایک امریکی ڈالر کے عوض 150 کواچا ملتے ہیں۔ مقامی سیاہ فام مسلمان ''عربی'' بھی بولتے ہیں اور عید میلاد النبی (ﷺ) بہت اہتمام سے مناتے ہیں۔ مسجدیں بہت زیادہ نہیں لیکن ان کی عمارت عمدہ ہیں۔ لی لانگ وے ملاوی کا دارالحکومت ہے۔ مفتی صاحب کی معیت میں ہفتے کی صبح لوڈیم سے جوہانس برگ ایرپورٹ آئے اور ایر ملاوی سے لی لانگ وے کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں دارالعلوم پری ٹوریا کے نئے تعلیمی سال کے لائحہ عمل پر حضرت مفتی صاحب تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ ملاوی پہنچے تو طیارے کی سیڑھیوں کے پاس ہمارے نام کی تختی لیے ایک شخص موجود تھا جو ہمیں مسافر بس کی بجائے وین میں وی آئی پی لاؤنج لے گیا۔ یہاں نبیرۂ خلیفہ اعلی حضرت مولانا محمود جان جام جودھ پوری پیر الحاج غلام علی مرتضی باپو، جناب شوکت حسین مالیدا اور ان کے احباب نے والہانہ استقبال کیا۔ باپو سے زم باب وے میں بھی ملاقات ہوئی تھی۔ مفتی صاحب یہاں آتے رہے ہیں ان کی سبھی سے شناسائی تھی۔ ٹرالی بیگ کی ایجاد نے مسافروں کے لیے خاصی آسانی کی ہے لیکن سیکیورٹی کی وجہ سے چھوٹی سی قینچی یا ناخن تراش (نیل کٹر) بھی اس میں ہو تو آپ کو کیبن میں ٹرالی بیگ لے جانے کی اجازت نہیں۔ سامان کے لیے بتایا گیا کہ وہ آجائے گا، مزید انتظار کی بجائے ہمیں شوکت صاحب اپنی عمدہ کار میں بٹھا کے اپنے گھر لے چلے۔ راستے میں حضرت باپو سے گفتگو ہوتی رہی۔ شوکت صاحب نے اپنے بارے میں بتایا کہ ان کی زندگی میں ایمانی انقلاب میرے والد گرامی علیہ الرحمہ کی تقاریر کی سماعت سے آیا جو انہیں ان کے والد صاحب سننے کے لیے کہتے اور کیسٹیں فراہم کرتے رہے۔ مَیں اپنے ابا جان قبلہ علیہ الرحمہ کے بارے میں سوچتا رہ گیا، اللہ کریم جل شانہ نے انہیں کتنا نوازا ہے۔ ان کے وصال کو 23 برس ہو رہے ہیں، ہمتوں میں آج بھی اللہ کریم نے ان کا فیضان جاری رکھا ہے۔ شوکت صاحب کی اہلیہ کراچی کی ہیں اور جامع مسجد گل زارِ حبیب کی پڑوسی رہ چکی ہیں۔ شوکت صاحب کی اولاد میں ان کی بڑی صاحب زادی بہت مبارک ہیں، وہ کمسن بچی کوئی پھل تراشتی ہے تو اس پھل میں اسم الٰہی اور اسم رسول کریم ﷺ نقش ملتا ہے۔ شوکت صاحب کے ایک ہی فرزند ہیں اور ماشاءاللہ خوش الحانی سے نعت خوانی کرتے ہیں۔ گھر میں ہمیں صرف عصر کی نماز ادا کرنے کی مہلت ملی۔ اتنا وقت ہی نہیں تھا کہ ہم کچھ آرام کرتے، فوراً جامع مسجد کے لیے روانہ ہوئے کیوں کہ وہاں مغرب کے فوراً بعد جلسہ تھا۔ مسجد کی عمارت عمدہ ہے اور ہال بہت کشادہ ہے۔ حاضرین نے پذیرائی کی۔ شوکت

صاحب کے فرزند نے نعت خوانی کی پھر مفتی صاحب نے تفسیر قرآن کا ایک سیٹ پیش کیا اور مختصر خطاب فرمایا۔ یہاں مجھے اردو میں خطاب کے لیے کہا گیا کیوں کہ سامعین میں مقامی باشندے نہیں تھے۔ عشاء سے قبل تقریر مکمل کرنی تھی۔ تقریر شروع کی تو دورانیے کی قید ختم کردی گئی اور بہت شوق سے مجھے سنا گیا۔ عشاء کی نماز بیس منٹ دیر سے ادا کی گئی۔ مسجد میں نماز ادا کر کے گھر آئے تو وہاں احباب جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ ربیع الاول کے بارہ ابتدائی ایام انہیں دے دوں۔ رات گئے تک وہاں کے مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ شوکت صاحب نے گھر میں پالی ہوئی دیسی مرغیوں کا عمدہ طعام کروایا۔ رات دو بجے تک نشست جاری رہی۔ شوکت صاحب نے بتایا کہ اگلی صبح ناشتا حضرت باپو کے ہاں ہے اور وہاں سے مدرسے کے معائنے کے لیے جانا ہے اور ظہر کا کھانا وہیں محرم شریف کے حوالے سے منعقدہ ایک محفل سے آئے گا اور وہاں سے واپسی پر ایرپورٹ کے لیے روانہ ہوں گے کیوں کہ لم بی کی فلائٹ سہ پہر کو ہے۔ عصر کی نماز ایرپورٹ ہی پر ادا کی جائے گی۔ پروگرام انہوں نے سنایا تو اندازہ ہوا کہ کل بھی نیند نہیں ہو سکے گی۔ فجر کی نماز ادا کر کے کمر سیدھی کرنے کو کچھ دیر استراحت کی اور پھر تیار ہو گئے۔ حضرت باپو کے ہاں پہنچے وہ جامع مسجد کے قریب کے علاقے میں مدت سے رہائش پذیر ہیں۔ اس شہر میں نبیرۂ اعلیٰ حضرت تاج الشریعہ مفتی اختر رضا خاں ازہری میاں ہر سال تشریف لاتے رہے ہیں۔ یہاں پاکستان کے حضرت مولانا مفتی محمد حسین قادری آف سکھر بھی تشریف لاتے رہے ہیں۔ شوکت حسین صاحب ان کے بھائی اور احباب ہمیں شہر سے قدرے فاصلے پر اپنے قائم کیے ہوئے ایک مدرسے میں لے گئے۔ کئی ایکڑ رقبے پر اس چار دیواری میں ''معہد التعلیم الاسلامی والثقافی'' کے نام سے مدرسہ و مسجد، لائبریری، اساتذہ کی اقامت گاہیں اور دفتر وغیرہ کی عمدہ عمارتیں ہیں۔ اس ادارے میں بھارت سے مولانا محمد منظر وسیم صاحب مصباحی نو وارد ہیں، دیگر اساتذہ مقامی ہیں جو کچھ عربی اور انگریزی جانتے ہیں۔ درس گاہ کے ہر کمرے میں اساتذہ و طلبہ سے ملاقات ہوئی۔ طرز تعلیم اور نصاب دیکھا، لائبریری اور مطبوعات کے معائنے میں مشغول تھے کہ اساتذہ و طلبہ نے عربی ترانہ پڑھنا شروع کیا۔ اس دوران وہ اپنے جوتوں سے فرش پر دھمک کے ذریعے آواز کرتے۔ یہ ''رِدھم'' مجھے ترانے کے الفاظ کی مناسبت سے موزوں نہیں لگا۔ ظہر کی اذان ہوئی۔ مسجد میں نماز کے بعد نشست رکھی گئی۔ مفتی صاحب کا اور میرا مختصر خطاب ہوا۔ یہاں بھی اساتذہ کی ہم نوائی کرتے ہوئے طلبہ نے عربی میں کلام پڑھا۔ صلوۃ و سلام کے بعد طعام کا سلسلہ ہوا۔ ''میمن اکھنی'' ایک طرح کی بریانی ہے۔ شہدائے کربلا کے ایصال ثواب کے لیے شہر میں ایک جگہ نیاز ہوئی تھی، یہ کھانا وہیں سے یہاں لایا گیا تھا۔ اس عمدہ طعام کے بعد دفتر میں میٹنگ ہوئی۔ مفتی صاحب نے بتایا کہ ملاوی کے چھ طلبہ ان کے ہاں زیر تعلیم ہیں وہ فارغ ہوں گے تو اس مدرسے کے معاون ثابت ہوں گے۔ مولانا محمد منظر وسیم مصباحی نے تفصیلات سے آگاہ کیا۔ ضروری مشورت کے بعد میٹنگ برخاست ہوئی۔ وقت کم رہ گیا تھا، ہم یہاں سے شوکت صاحب کے گھر گئے اور سامان اٹھا کر ایرپورٹ کے لیے روانہ ہوئے۔ شوکت حسین

صاحب نے بتایا کہ وہ اسی ماہ کے آخر میں پاکستان آئیں گے۔ ایر ملاوی کے فوکر طیارے میں ہم بلن ٹائر کے لئے روانہ ہوئے۔لم بی کے لیے یہی ایر پورٹ ہے اور خستہ حال ہے۔ یہاں الطاف صاحب ہمارے منتظر تھے۔لوگ انہیں ''الطاف ٹیکسی'' کہتے ہیں۔ سامان لے کر باہر آئے تو راول پنڈی کے بہت سے لوگ مجھے وہاں پا کر بہت خوش ہوئے۔ ان سے مل کر بڑھے تو مدرسہ نورالاسلام ملاوی کے ہیڈ ماسٹر محمد عقیل انصاری، مدرس مولانا احسان اللّٰہ آف سیال کوٹ کے ساتھ لم بی کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں مقامی تفصیلات وہ ہمیں بتاتے رہے۔فیصل عبدالغفار صاحب کے ہاں ہمیں لے جایا گیا اور بتایا گیا کہ ہمیں نصف گھنٹے میں مسجد پہنچنا ہے۔فیصل صاحب میمن نوجوان ہیں اور کرنسی ٹرانسفر کا بزنس کرتے ہیں۔اپنی گاڑی میں وہ ہمیں جامع مسجد لے گئے۔عشاء کی نماز ادا کرتے ہی جلسہ شروع ہوا۔مولانا حافظ عبدالوحید مصباحی یہاں کچھ ماہ پہلے ہی آئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ آج حضرت مفتی اعظم ابن اعلیٰ حضرت علیہما الرحمہ کا یومِ وصال ہے اور شب دس بجے جلسہ ختم کرنا ہے۔ ان سے عرض کی کہ میزبانوں کا تقاضا تو تفصیلی خطاب کا ہے تاہم جیسا آپ کہیں۔خود انہوں نے پہلا خطاب فرمایا۔مفتی صاحب کے اور میرے نام سے شاید وہ آگاہ نہیں تھے، اپنے خطاب کے بعد انہوں نے مائک چھوڑ دیا تو حضرت مفتی صاحب نے مختصر خطاب فرماتے ہوئے مجھے مائک پر آنے کی دعوت دی۔مسجد کا ہال خاصا کشادہ اور عمدہ تھا مگر ہال میں گرمی محسوس ہو رہی تھی۔مَیں نے خطاب شروع کیا اور مختصر کر کے گفتگو سمیٹنے لگا کیوں کہ مولانا مصباحی نے جو وقت بتایا تھا۔اس کے پورے ہونے میں کچھ ہی منٹ رہ گئے تھے۔مولانا اور سامعین نے بھی مجھے گفتگو جاری رکھنے کو فرمایا اور اصرار کیا لیکن ٹھیک دس بجے مَیں نے تقریر ختم کر دی۔ فاتحہ خوانی، صلوۃ وسلام اور دعا کے بعد حاضرین بہت وارفتگی سے ملے اور گھر پہنچے تو گویا سارا ہجوم وہاں پہنچ گیا۔لی لانگ وے کے احباب نے ماہِ میلاد شریف میں بارہ دن مانگے تھے، لم بی والے گیارہویں شریف کے گیارہ دن مانگ رہے تھے۔ایک بجے شب تک ہجوم موجود رہا اس کے بعد فیصل صاحب نے متعدد مسلکی امور پر ڈیڑھ دو گھنٹے گفتگو کی۔ہمیں فجر کے فوراً بعد پھر بلن ٹائر ایر پورٹ پہنچنا تھا، جنوبی افریکا کے لیے واپسی تھی۔فیصل صاحب کے ہاں مختصر ناشتا کیا، مولانا عقیل انصاری اور مولانا احسان اللّٰہ کے ہم راہ ہم بلن ٹائر کے لیے روانہ ہونے سے قبل مدرسہ نورالاسلام گئے۔ وقت بہت کم رہ گیا تھا اس لیے وہاں اساتذہ وطلبہ سے ملاقات نہ کر سکے البتہ اس مدرسہ کی عمارت اور کارکردگی سے متاثر ہوئے۔مولانا احسان اللّٰہ نے مدرسہ کے تعارف اور کارکردگی کی روداد پر مشتمل ایک ''بروشر'' ہمیں دیا۔بلن ٹائر ایر پورٹ ہم پہنچے تو عمارت کی خستہ حالی اپنی جگہ وہاں ملاوی ایر پورٹ کے مختصر ترین عملے کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔ ایر پورٹ ٹیکس وصول کرنے والے اور سیکیورٹی عملے کا ہمیں انتظار کرنا پڑا۔مولانا احسان اللّٰہ اور ان کے ساتھی جہاز کی روانگی تک ہمارے ساتھ رہنا چاہتے تھے لیکن وہاں تو کوئی ایک بھی کرسی نہیں تھی کہ نشست ہوتی کچھ دیر بعد ایر پورٹ سیکیورٹی کے عملے کے فرد نے آ کر لاؤنج کا دروازہ کھولا، ہم لاؤنج میں داخل ہوئے۔ کچھ پرانے صوفے وہاں رکھے

تھے۔ہمیں بتایا گیا کہ جوہانس برگ جانے والا طیارہ کچھ تاخیر سے جائے گا۔میزبان جا چکے تھے،فون کی سہولت بھی نہیں تھی،مفتی صاحب سے اس مختصر دورے اور مدارس پر گفتگو میں انتظار کے یہ لمحے گزرے۔اس دوران کچھ اور مسافر بھی لاؤنج میں آ گئے تھے۔ہلکی بارش بھی ہوتی رہی۔طیارے میں سوار ہونے کا مرحلہ آیا۔اس پرواز کی تاخیر میرے اس دن کے مزید سفر کو متاثر کر رہی تھی،مجھے جوہانس برگ سے تین بجے سہ پہر ڈربن شہر کے لیے پرواز پر روانہ ہونا تھا۔جوہانس برگ ایرپورٹ پر سامان آنے میں دیر لگی لیکن مفتی صاحب نے اپنے احباب کے ذریعے مستعدی کا بھرپور مظاہرہ کیا اور ''کلولا ایرلائنز'' کے کاؤنٹر پر ہم بروقت پہنچ گئے۔جنوبی افریکا میں آزادی کے بعد تین مختلف ایرلائنز بھی شروع ہو چکی ہیں۔''کلولا'' ان میں کم کرائے کے حوالے سے خاصا کاروبار کر رہی ہے۔پہلی مرتبہ اس ایرلائنز کے طیارے میں سفر کر رہا تھا۔جہاز میں سوار ہونے کے بعد ایک گھنٹے تک تاخیر کی گئی۔بتایا گیا کہ ''بیڈ ویدر'' (موسم خراب) ہے۔مجھے برسات اور گرج چمک پر موسم کو ''خراب یا بُرا'' کہنا ناگوار گزرتا ہے۔بارش نہ ہو تو نماز استسقی پڑھی اور برسات کے لیے دعائیں کی جاتی ہیں۔غیر مسلموں کی طرح مسلمان بھی ایسے موسم کو ''بُرا یا خراب'' کہتے نظر آتے ہیں۔قرآنِ کریم میں مختلف ہواؤں کے لیے الگ لفظ بیان ہوئے ہیں اور حدیث شریف میں وہ دعائیں بھی بیان ہوئی ہیں جو رسولِ کریم ﷺ ان ہواؤں کے چلنے پر پڑھا کرتے۔ڈربن پہنچے تو شام ہو چکی تھی۔الحاج ابراہیم اسمال میرے منتظر تھے۔وہ اسی سال حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کر کے کچھ ہی دن پہلے آئے تھے۔ایرپورٹ سے ہم ری ورسائڈ کے علاقے میں جناب حاجی ابراہیم کریم کی معمر خوش دامن کی عیادت کو گئے اور گھر جانے سے پہلے حضرت صوفی صاحب کے مزار شریف پر حاضری دی اور عصر کی نماز ادا کی۔گھر پہنچے تو مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں۔جنوبی افریکا میں مغرب کے بعد طعام کا معمول ہے۔ابھی کھانے میں مشغول تھے کہ مولانا آفتاب قاسم اپنے احباب کے ہم راہ ملاقات کو تشریف لے آئے،ان کے بعد مولانا محمد بانا اور دیگر احباب آتے رہے اور رات گئے تک یہ نشست جاری رہی۔مولانا آفتاب قاسم نے ابن اعلیٰ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی یاد میں ایک ادارہ قائم کیا ہوا ہے اور مختصر عرصے میں متعدد کتابچے شائع کیے ہیں۔انہوں نے بتایا کہ وہ حضرت صدر الشریعہ کی مثالی یادگار کتاب ''بہار شریعت'' کا انگریزی میں ترجمہ کر رہے ہیں اور بہت جلد اسے مکمل کر لیں گے۔مجھے خوشی ہوئی کہ ان کی اس محنت سے لاکھوں لوگ استفادہ کر سکیں گے۔بلاشبہ یہ انتہائی مشکل کام ہے اور فقہی اصطلاحات اور مشکل الفاظ کو انگریزی میں منتقل کرنا یقیناً بہت کٹھن کام ہے کیوں کہ انگریزی زبان،موجودہ بائبل کی ترجمانی کرتی ہے لیکن عربی و فارسی الفاظ و اصطلاحات کی ترجمانی اس زبان میں کسی قدر ہی ہو پاتی ہے۔مولانا آفتاب قاسم نوجوان ہیں،بریلی شریف میں زیر تعلیم رہے ہیں،بہار شریعت کے ترجمے میں وہ کہاں تک کامیاب رہے ہیں اس کا اندازہ اس ترجمے کو دیکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔وہ بتا رہے تھے کہ ابن صدر الشریعہ حضرت مولانا ضیاء المصطفی صاحب ان کی رہ نمائی کرتے رہے ہیں۔مولانا محمد بانا کی آنکھوں کا آپریشن گزشتہ ہفتے ہی

ہوا تھا بایں ہمہ وہ مجھے ملنے آئے اور تفصیل سے ڈربن کے دینی مسلکی احوال سناتے رہے۔انہیں شکایت ہے کہ اس شہر کو مَیں وقت نہیں دیتا جب کہ میرے والد گرامی علیہ الرحمہ اور مَیں نے ابتدا میں زیادہ کام یہیں کیا تھا۔انہوں نے بتایا کہ ان کے عزیز مولانا ارشاد صوفی نے میرے والد گرامی علیہ الرحمہ کے خطبات کے انگریزی ترجمہ کا خاصا کام کیا ہے اور دو مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ پی ٹرمے رس برگ میں مقیم مولانا ارشاد صوفی کو انہوں نے فون کیا لیکن وہ ملک سے باہر تھے تاہم وعدہ ہوا کہ صبح وہ دونوں مجموعے مجھے پہنچا دیئے جائیں گے۔ان سب احباب نے میری والدہ محترمہ کے وصال پر منعقدہ محافل ایصال ثواب کی رُوداد بھی سنائی اور اظہار تعزیت کیا۔ابراہیم اسمال نے بہت اصرار کر کے ڈربن بلایا تھا اور اس وقت سے ان کا اصرار جاری تھا جب سے تنویر منصور کی شادی کی تاریخ طے ہوئی تھی،اس نوجوان کا کہنا تھا کہ چند گھنٹوں کے لیے ہی ڈربن ضرور آؤں۔ان کے اصرار پر آیا لیکن انہیں ہی مجھ سے گفتگو کا وقت نہیں ملا۔ صبح حضرت بادشاہ پیر علیہ الرحمہ کے مزار شریف پر حاضری کے بعد اگربتی لینے ایک دکان گئے۔پشاور کے ایک دوست کے لیے جنوبی افریکا کی ایک ٹوپی لی اور دوپہر کے طعام کے بعد پیٹ رٹیف کے لیے روانہ ہوئے۔ابراہیم اسمال نے طے کیا کہ ان کی تسلی نہیں ہوئی وہ میرے ساتھ جائیں گے تا کہ مزید کچھ وقت میرے ساتھ رہیں۔چار گھنٹے کے اس سفر میں تصوف پر خاصی گفتگو ہوئی۔ مجھے سفر میں آرام کم ہی ملتا ہے۔بے خوابی سے اعصاب خاصے متاثر ہوتے ہیں۔ احباب کی دل جوئی کا خیال غالب رہتا ہے وہ خوش ہوتے ہیں،یقیناً دعائیں دیتے ہوں گے۔ پیٹ رٹیف سے فون آتے رہے۔آٹھ بجے شب ہم گھر پہنچے۔وہاں سبھی منتظر تھے جاتے ہی طعام کیا۔اپنے پروگرام کے مطابق مجھے اگلی صبح وہاں سے روانہ ہونا تھا لیکن ہاشم منصور کی والدہ محترمہ کی طبیعت خاصی ناساز تھی۔ان سب نے کچھ اس طرح مجھے مجبور کیا کہ مجھ سے کچھ نہ کہا گیا۔ہاشم منصور نے کراچی فون کر کے تین دن کے مزید قیام کے لیے اجازت چاہی۔ابراہیم اسمال کو گلہ ہوا کہ ڈربن میں قیام مختصر رکھا گیا اور پیٹ رٹیف میں بڑھا لیا گیا۔ان سے کہا کہ وہ وہاں میرے ساتھ قیام کریں،وہ بھی اسی خاندان کے فرد ہیں،یوں سب کے ساتھ رہیں گے۔ہاشم منصور کی والدہ کی علالت کے باعث رات بھر سبھی جاگتے رہے۔ڈاکٹر محمد دیدات کا تذکرہ جنوبی افریکا کے سفرناموں میں ہوتا رہا ہے۔وہ روز ہی تشریف لاتے اور دیر تک ان سے گفتگو ہوتی۔حاجی ابراہیم کریم اور مفتی صاحب سے فون پر مسلسل رابطہ رہا۔ پیٹ رٹیف میں اس مرتبہ دو پاکستانی افراد بھی ملے۔موبائل فون (جسے وہاں سیل فون کہا جاتا ہے) کی ایک دکان پر جہلم کے علاقے کے شاہ صاحب سے فیصل محمد منصور نے ملاقات کروائی۔انہیں میرا نام معلوم ہوا تو بہت ہی خوش ہوئے اور بہت پذیرائی کی۔انہی کی دکان میں ان کے ساتھی بھی پاکستانی تھے۔کچھ دیر ان سے باتیں کیں،وہ چاہتے تھے کہ ان کے ساتھ دیر تک نشست رکھوں اور وطن کی باتیں کروں۔تیسرے دن ہاشم منصور کی والدہ محترمہ کی طبیعت کچھ سنبھلی تو میں نے رخت سفر باندھا۔ اس گھرانے کے سبھی افراد میری روانگی پر یوں اشک بار تھے کہ خود میں شرمندہ ہو رہا تھا۔مفتی صاحب اور مولانا

عبدالوہاب دو کے مجھے لینے آئے تھے۔مغرب کے وقت ہم لوڈیم پہنچے۔آج مولانا حافظ محمد اسمٰعیل ہزاروی نے اپنے ہاں الوداعی عشائیہ رکھا تھا۔عشائیے کے بعد دیر تک دارالعلوم پری ٹوریا کے حوالے سے اہم امور پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ مجھے دنیا بھر جہاں کہیں درس گاہوں کو درپیش مسائل اور احوال سننے کا موقع ملا وہاں یہ بات ضرور سُنی دیکھی کہ درس گاہوں کے امور اور معاملات سے ناواقف لوگ خود یا کسی حاسد کے اکسانے پر بے جا دخل اندازی کرتے ہیں اور اسے وہ اپنے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔مسجد کمیٹیوں میں لیے جانے والے کتنے لوگ لفظ مسجد کے لفظی ولغوی معنی بھی نہیں جانتے مگر وہ تجویز کی بجائے فیصلہ سنانے سے شغف رکھتے ہیں۔اس رات بھی کچھ حاسدوں کی دخل اندازی سے مخلصوں کو پیش آنے والی دشواریاں ہی موضوع تھیں۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ادارہ کامیابی کی طرف بڑھتا ہے تو اس کا ''کریڈٹ'' لینے کے خواہش مند بہت سے ہو جاتے ہیں،ان میں وہ بھی شامل نظر آتے ہیں جنہیں تعاون کم اور منفی تنقید سے زیادہ دلچسپی رہی ہوتی ہے۔مفتی صاحب اور ان کے مخلص ساتھیوں کی محنتیں رنگ لائی ہیں تو کچھ لوگوں کو اب اپنے مفادات کی تکمیل نظر نہیں آتی،وہ کسی طرح بھی نہیں چاہتے کہ یہ دارالعلوم ترقی کرے،ایسے لوگ ہی وہ خفیہ ہاتھ ہوتے ہیں جو مخلص افراد میں سے کسی کے کان بھرنے کا شغل کرتے ہیں۔یا پھر ان مخیّر احباب کو ایسے اداروں کو امداد سے روکتے ہیں، جو ثواب اور نیکی کی بنیاد پر اچھے اداروں سے مالی تعاون کرتے ہیں،ایسے ''شرارتی'' لوگوں کا مقصد صرف اور صرف نیکی میں رکاوٹ ڈالنا اور ترقی روکنا ہوتا ہے۔مفتی صاحب سے عرض کی کہ وہ صدق واخلاص سے محنت کرتے رہیں،اللہ کریم ان کے حاسدوں کو خاسر و ناکام بناتا رہے گا۔اگلی صبح حاجی ابراہیم کریم صاحب نے چند افراد سے ملاقات کا وعدہ کر رکھا تھا،ان کے ساتھ ان لوگوں کے ہاں گئے۔ٹیلیفون پر اس روز سبھی نے رابطہ کیا اور دعاؤں کے ساتھ الوداع کہی۔دوپہر کے بعد حضرت مفتی صاحب،مولانا حافظ محمد اسمٰعیل ہزاروی،حاجی ابراہیم کریم کے ساتھ ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہوئے۔یہاں پیٹ رٹیف سے بھی الحاج ہاشم منصور اور ان کے فرزندان،عبدالحق منصور اور اہلِ خانہ پہنچ چکے تھے۔یہ سب میری روانگی تک وہاں رہے۔محبتیں انمول ہوتی ہیں اور قلبی لگاؤ سب سے اہم اور پختہ ہوتے ہیں۔اللہ کریم ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ایئرپورٹ سے گھر والوں کے لیے کچھ تحائف لیے اور ساری رات ہوائی جہاز کی پرواز میں گزری۔فجر کے وقت دبئی ایئرپورٹ پہنچے۔الحاج صوفی محمد عرب سے کراچی ہی میں وعدہ ہوا تھا کہ سفر پر نکلا تو اس مرتبہ انہیں ضرور وقت دوں گا۔انہوں نے ویزا کا انتظام کر لیا تھا۔ان کے فرزند اور احباب نے میرا استقبال کیا،گھم کول شریف کے پیر صاحب کے ایک خلیفہ بھی ان کے ساتھ آئے تھے۔دبئی سے ابوظہبی کے لیے روانہ ہوئے۔ابوظہبی کی ریاست متحدہ عرب امارات میں مرکزی اور اصل شمار ہوتی ہے۔راستے بھر مجھے اس علاقے اور یہاں کے امور کی بابت ذی شان صاحب آگاہ کرتے رہے۔دبئی سے ابوظہبی تک مسافت بہت زیادہ تو نہیں تھی لیکن مَیں گزشتہ دوپہر سے سفر میں تھا۔ابوظہبی پہنچ کر مختصر سا ناشتا کیا اور پھر آرام کیا۔صوفی محمد عرب صاحب کو کسی اہم کام کی

وجہ سے ایک دفتر میں علی الصبح جانا تھا وہ اسی لیے ایئرپورٹ نہیں آ سکے تھے، فون پر ان سے بات ہو چکی تھی۔ سہ پہر وہ آئے۔ الحاج صوفی محمد عرب صاحب میرے والد گرامی علیہ الرحمہ کے دیرینہ عقیدت مند اور مخلص دین دار شخصیت ہیں۔ کوہ مری کے قریب خیرا گلی کے باشندے ہیں۔ ان کا ''مطعم العرب'' ابوظہبی میں برسوں سے جانا پہچانا ہے۔ اس مطعم کے ساتھ نماز کی جگہ ہے۔ صوفی صاحب کا کہنا تھا کہ آج مغرب کی جماعت یہاں تم نے کروانی ہے۔ عصر ادا کرنے کے بعد وہ مجھے گاڑی میں بٹھا کے ابوظہبی کے شیخ زاید کی تعمیر کردہ مسجد اور ان کا مقبرہ دکھانے لے گئے، راستے بھر وہ شیخ النہیان کے غریب پرور، انسان دوست اور ہم درد ہونے کے واقعات سناتے رہے۔ شیخ زاید نے جس مسجد کی تعمیر شروع کی اس کی عمارت پُرشکوہ اور بہت ہی عمدہ ہے۔ اسی مسجد کی دائیں جانب شیخ زاید کا مقبرہ بنایا جا رہا ہے۔ قبر کا تعویذ پختہ ہے اور بتایا گیا کہ ان کی وفات سے اب تک دن رات مسلسل لاؤڈ اسپیکر لگا کر تلاوت قرآن ہو رہی ہے۔ مختلف خوش الحان قاری ترتیب سے قرآن کریم تلاوت کرتے ہیں۔ سیکیورٹی عملہ موجود رہتا ہے، صفائی اور پینے کے پانی کا انتظام ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ شیخ سلطان زاید کے جنازے اور تدفین کے وقت کسی غیر مقلد نے کوئی غلط فتوی دیا تو اس شخص کو اسی وقت ملک چھوڑنے کے احکام جاری کیے گئے۔ وہاں بنائے گئے دفتر والوں نے اس مسجد کی تعمیر کے حوالے سے ایک کتابچہ مجھے دیا اور پذیرائی کی۔ صوفی محمد عرب صاحب کی فرمائش کے مطابق مغرب کی نماز مطعم العرب سے ملحق بنائی گئی نماز کی جگہ پر ادا کی، یہاں بہت سے ہم وطن ملے اور بہت محبت سے ملے۔ صوفی صاحب کی رہائش گاہ قریب ہی واقع ہے۔ ان کی والدہ محترمہ میری منتظر تھیں۔ وہ معمر خاتون اپنے بچوں سے بڑھ کر مجھے چاہتی ہیں، انہیں سلام کرنے گیا اور ان سے دعائیں لیں۔ ابوظہبی میں ''مرکزی اہلِ سنّت'' میں اسی شب عشاء کی نماز ادا کرنی تھی، عارف صاحب نے عشاء کے بعد وہاں میرے خطاب کا اہتمام رکھا تھا۔ ہم عشاء سے کچھ لمحے پہلے اس عمارت میں پہنچ گئے، یہ ایک فلیٹ ہی کی مختصر عمارت ہے جہاں مختصر عرصے میں خاصا کام ہوا ہے۔ کتابوں اور کیسٹوں کی لائبریری بھی ہے، ہر تیوہار اور ماہِ صیام میں یہاں خصوصی اجتماع ہوتے ہیں، علما و مشائخ کی آمد پر خاص نشستیں ہوتی ہیں، دیکھتے ہی دیکھتے اتنے افراد اس شب وہاں جمع ہو گئے کہ جگہ تنگ پڑ گئی۔ کہا گیا کہ ایک گھنٹے کی کیسیٹ بنائی جاتی ہے، اس لیے اسی دورانیے میں پروگرام مکمل کرنا ہے۔ تلاوت و نعت کے بعد خطاب شروع ہوا تو وقت کی پابندی ختم کرنے پر اصرار ہونے لگا۔ لوگوں نے بہت زیادہ محبت سے سُنا اور سامعین میں بہت جوش تھا۔ خطاب ختم ہوتے ہی اسی وقت کیسیٹ تیار ہو گئی اور خاصی تعداد میں لوگوں نے حاصل کی۔ مرکز کے دفتر میں تاثرات کے رجسٹر پر چند سطریں تحریر کیں اور پھر مطعم العرب میں آ کر کھانا کھایا جب کہ سامعین کے لیے مرکز ہی میں اہتمام تھا۔ ذی شان صاحب دو تین مرتبہ ذکر کر چکے تھے کہ دو برس سے ابوظہبی میں بارش نہیں ہوئی، اسی شب بارانِ رحمت کا جلوہ بھی ہوا۔ اگلی صبح بھی خاصے لوگ ملے اور کہتے رہے کہ قیام میں کچھ اضافہ کر لوں لیکن اس شام میری واپسی طے تھی۔ الحاج صوفی محمد عرب صاحب، ان کی والدہ محترمہ اور ذی شان

صاحب اور دوست مجھے پہنچانے دبئی ایئرپورٹ تک آئے۔محترم محمود خاں صاحب یہاں میرے منتظر تھے انہوں نے ایئرپورٹ کے مراحل میں میرے لیے آسانیاں کیں۔ایک بار پھر اپنے پیارے نبی پاک ﷺ کے مبارک ذکر کی برکتیں سمتوں میں دیکھتا سمیٹتا میں اس شب بخیر و عافیت وطن واپس آیا۔

جانا جاتا ہوں جو میں یہ بھی عطا ہے تیری
اپنی محنت سے کہاں نام کمایا میں نے

☆☆☆